اعتبار ساجد

مجھے اِس قدر نہ چاہو

انتساب!

اُن کے نام

اُنہی کے نام جنہیں پرسکون گھر نہ ملے
اُنہی کے نام جنہیں اپنے بام و دَر نہ ملے

اُنہی کے نام جو زندانِ آرزو میں رہے
اُنہی کے نام جو اُڑنے کی جستجو میں رہے

اُنہی کے نام جو دل، پیار میں دھڑکتے ہیں
اُنہی کے نام جو غم، رات بھر چمکتے ہیں

آئینہ

آغاز

یہ کتاب ان کے لیے ہے جو محبت کے درد اور زندگی کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ جن کے دل چاہت سے دھڑکتے ہیں اور جو اندھیری شبوں میں جگنوؤں کی طرح چمکتے ہیں۔ جنھیں صرف ایک یا چند افراد کی محبت عزیز نہیں جو ساری کائنات سے محبت کرتے ہیں۔ اسے حسین، پرامن اور آشتی کا گہوارہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم لفظ لکھنے والے لوگ کاغذ پر پھول اس لیے کھلاتے ہیں کہ زندگی کے صحرا کی تمازت اور بیابانی کم ہو جائے۔ جو لوگ ہمیں پڑھتے اور سنتے ہیں وہ ہمارے لیے انتہائی قیمتی اور پیارے لوگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پیارے قارئین اور اپنے عزیز سامعین سے محبت، اپنائیت اور چاہت کا ایک گہرا، بے لوث اور بے غرض رشتہ قائم ہے۔ اور انشاء اللہ آخری سانسوں تک قائم رہے گا۔

پیار بھری دعاؤں اور توجہ کی طلبگار نگاہوں کے ساتھ!

آپ کا

اعتبار ساجد

۞

کسی اور کا نہیں تذکرہ، فقط ایک میرا ہی نام ہے
پسِ واقعہ ذرا غور کر کہ یہ کس کا قصۂ شام ہے

ذرا غور کر کہ یہ گردباد ہے آج کس کے طواف میں
یہ کہانی کس کے سفر کی ہے، سرِدشت کس کا قیام ہے

جو مرا وجود نہیں رہا تو رہیں گے گریہ کناں بہت
یہ جو سلطنت کے ستون ہیں یہ جو خونچکاں در و بام ہے

مری تری آس کے درمیاں فقط ایک رشتۂ خواب تھا
سو، وہ ایک رشتۂ خواب تھا جو خیال جیسا ہی خام ہے

کوئی اور ساتھ نہ ہو ترے، مرے ساتھ بھی مری ذات ہو
مین فقط اکیلا سنوں تجھے کہ یہ تیرے نام کی شام ہے

یہ محبتوں کے ساحل، یہ رفاقتوں کے دریا
کوئی ہرج تو نہیں ہے، اِنہیں جس قدر سَرا ہو

مگر اپنی چاہتوں سے مجھے ڈر سا لگ رہا ہے
کہ بچھڑ نہ جاؤ تم بھی، مجھے اِس قدر نہ چاہو

مجھ سے محبت نہیں ہے کیا؟

اُس نے کہا کہ مجھ سے محبت نہیں ہے کیا؟
اب مجھ سے گفتگو کی بھی فرصت نہیں ہے کیا؟
دل میں ذرا سی بھی مری چاہت نہیں ہے کیا؟
سچ سچ بتاؤ، میری ضرورت نہیں ہے کیا؟
حائل ہے کون اپنے مراسم کی راہ میں؟
دیوار بن رہا ہے بھلا کون چاہ میں

میں نے کہا کہ دل سے غلط فہمیاں نکال
جانِ عزیز! مجھ سے نہ کر اس طرح سوال
جیسے تھا دل میں پہلے، وہی ہے ترا خیال
رکھتا ہوں رات دن میں تری خواہشِ وصال
کیسے بتاؤں میں کہ جو غم روز و شب کے ہیں
میرے ہی دُکھ نہیں ہیں، زمانے میں سب کے ہیں

ہر شخص غم زدہ ہے مسائل کے باب میں
بوسیدہ ہر ورق ہے وفا کی کتاب میں
شامل کچھ اور غم بھی ہیں دل کے نصاب میں
زہراب کا اثر بھی ہے اب سرد آب میں
شعلے ہوں ہر طرف تو دلِ زار کیا کرے؟
سوچو کہ اس فضا میں قلمکار کیا کرے؟

ویسے تو سوچتا ہوں کہ اِک شام ایسی ہو
جیسی گداز تم ہو، خوش اندام ایسی ہو
جتنی ہو خوشبودار وہ گلفام ایسی ہو
آئے وہ شام، اپنے حسیں نام ایسی ہو
لیکن یہ شام اپنے مقدر میں ہی نہیں
گہرائیاں طلب کے سمندر میں ہی نہیں

بیٹھ جاتے جو گھڑی بھر کو ترے سائے میں
تیری دیوار کو دیوار بنا دیتے ہم

اتنے خاموش نہ ہوتے یہ تراشیدہ ستوں
سنگ کو لائق اظہار بنا دیتے ہم

تو نے مہلت ہی نہیں دی کبھی کچھ کہنے کی
تجھ کو بھی قابلِ گفتار بنا دیتے ہم

کچھ اور ہی لگتی ہے یہ چاہت نہیں لگتی
سچ یہ ہے کہ مجھ کو یہ محبت نہیں لگتی

پل بھر کا یہ ملنا کوئی ملنا تو نہیں ہے
یہ میل ملاقات رفاقت نہیں لگتی

یہ ڈھیر سے وعدے، یہ تری سینکڑوں قسمیں
مجھ کو تری باتوں میں صداقت نہیں لگتی
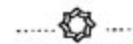
سچا ہے تو قسموں کی ضرورت نہیں تجھ کو
آپس میں وکیلوں کی عدالت نہیں لگتی

سوچیں تو یہی چند برس کا ہے تعلق
یوں دیکھیں تو تھوڑی سی یہ مدت نہیں لگتی

لفظوں میں چھلک آئے اگر خون جگر کا
تب شاعری بے رُوح عبارت نہیں لگتی
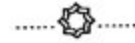
ذرا اِک فاصلہ رکھو

محبت آسمانوں کی بلندی تک پہنچتی ہے
مگر کچھ فاصلے ایسے ہیں
جن کو ختم کرنے پر
انا قائم نہیں رہتی
انا کا استحکامِ مستقل
چاہت میں لازم ہے
مجھے تم سے یہ کہنا ہے
کہ میرے اور اپنے درمیاں اک فاصلہ رکھو

یہی اِک فیصلہ چاہت کی منصوبطی کا ضامن ہے
یہی دیوار ہم دونوں کو آپس میں
شعورِ احترامِ آرزو کا درس دیتی ہے
انا کی ان فصیلوں سے پرے
دنیا کی جتنی اپنی منطق ہے
گوارا اس کو میرا دل نہیں کرتا
مجھے ہر حال میں اپنی انا قائم بھی رکھنی ہے
اور اس کے ساتھ
تقدیسِ وفا قائم بھی رکھنی ہے!
مجھے بس اتنا کہنا ہے
کہ میرے اور اپنے درمیاں اِک فاصلہ رکھو!

خود پسند لوگوں سے کیا رفاقتیں رکھیں
ایسی کیا مصیبت ہے، ان سے صحبتیں رکھیں

اور بھی تو رہتے ہیں لوگ اپنی بستی میں
ایسے ویسے لوگوں سے کیا محبتیں رکھیں

مانگتا ہے جو ہم سے سارے دن کی رُودادیں
اس کے سامنے شب کو کیا وضاحتیں رکھیں

عمر مختصر اپنی اور ذات کی جنگیں
کیا رقابتیں رکھیں، کیا عداوتیں رکھیں

ایسے دعویداروں کا، جھوٹ کیا ہے سچ کیا ہے
لب پہ چاہتیں رکھیں، دل میں نفرتیں رکھیں

مَدھم چراغِ وصل کو تم مت کیا کرو
ہم پھر ملیں گے، دل میں فقط یہ دُعا کرو

گر ظلمتوں سے لینا پڑے تم کو انتقام
تم روشنی بکھیرو، جہاں میں ضیاء کرو

تم نے تو درد دل کو تماشہ بنا دیا
تم سے کہا تھا کس نے کسی کا گلہ کرو

سب کی سنو، یہ دانش فن کا سوال ہے
لیکن تم انجمن میں سدا چپ رہا کرو

اپنے سخن کے پھول کھلاؤ نگر نگر
تم اس طرح سے کچھ تو فروغِ ضیاء کرو

شکوں شکایتوں کے زمانے گذر گئے
میری یہی دعا ہے کہ بس خوش رہا کرو

ہم ہر نگاہِ شوق کا سامان ہو گئے
جب سے ترے نگر میں غزل خوان ہو گئے

وہ مشکلوں کو اور بڑھاتے چلے گئے
جب راستے حیات کے آسان ہو گئے

جن میں چہک رہے تھے پرندے بہار کے
وہ ہنستے بستے شہر بھی ویران ہو گئے

ہلکی سی ایک ٹھیس پہ تھے ریزہ ریزہ یوں
ہم جیسے کوئی کانچ کا گلدان ہو گئے

محفل میں ہنس رہے تھے بڑی خوش دلی کے ساتھ
وہ میری بات سن کے پریشان ہو گئے

چپ کی گرہ میں باندھ لیے سب کے قہقہے
جتنے تھے اپنے رنج وہ آسان ہو گئے

اِک ترا ٹوٹا ہوا پیمان باقی رہ گیا
پھول سب مرجھا گئے گلدان باقی رہ گیا

اُڑ گیا خیمہ مرا صحرا کی آندھی میں کہیں
میں سدا کا بے سر و سامان، باقی رہ گیا

اُس محلے کی فقط اِک یاد ہے آنکھوں میں نقش
ڈھے گیا گھر، صرف اِک دالان باقی رہ گیا

چند یادوں کا خزینہ ہے مری تحویل میں
مُجھ پہ تیرا آخری احسان باقی رہ گیا

اِک شگفتہ آدمی ہوتا تھا تیرا اعتبار
اب تو ناآسودہ اِک انسان ہو کر رہ گیا
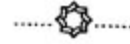
ہمیشہ یاد آتا ہے

کوئی بچھڑا ہوا لمحہ
کوئی بھولا ہوا لہجہ
کسی کی خوبصورت گفتگو
پیارا سا اک جملہ
ہمیشہ یاد آتا ہے......
......ہمیشہ یاد آتی ہے
کسی کی مسکراہٹ
جو فقط میرے لیے مخصوص ہوتی تھی
وہ ایسی روشنی تھی
جو فقط میری نظر کے طاق تک محدود ہوتی تھی

وہ ایسی مسکراہٹ تھی
جو اشکوں سے چمکتی آنکھ میں موجود ہوتی تھی

ہمیشہ یاد آتا ہے
وہ روشن ہاتھ
جو چہرے کو چھوتا تھا
وہ لَب جو پوچھتے تھے!
سچ بتانا:
آج پھر آنسو بہائے تھے؟
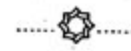
سوچیں گے خود پہ، فرصتِ حالات بھی تو ہو
ہم سے کبھی ہماری ملاقات بھی تو ہو

اتنے سے دکھ پہ کون گنوا دے تمام عمر
حاوی ہو ذات پر، وہ غمِ ذات بھی تو ہو

وابستگی میں ہوتی نہیں شرطِ گفتگو
آنکھیں پڑھو کہ واقفِ حالات بھی تو ہو

جب ہم ہوں اور تم ہو، ستارے ہوں اور چھت
ایسی مقدروں میں کبھی رات بھی تو ہو

کیسی گھٹا ہے، ہونٹ بھی آنکھیں بھی خشک ہیں
بادل اُمڈ رہے ہیں تو برسات بھی تو ہو

ہم پر نہیں تو کس پہ ہنسو گے عزیزِ جاں!
تم لوگ واقفانِ غمِ ذات بھی تو ہو
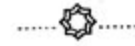
مجھ کو محسوس کرو!

مجھ کو محسوس کرو
روح کی گہرائی میں
یا کسی اُجڑی ہوئی گود کی تنہائی میں
یا کسی کھوئے ہوئے
شہر کی رعنائی میں
مجھ کو محسوس کرو

تم نے گر لفظ کے آئینہ بے روح میں دیکھا ہوگا
میری سوچوں کے خد و خال کے
اجلے پن کو
اس طرح شرحِ خیالات نہیں ہو سکتی
اس طرح تم سے ملاقات نہیں ہو سکتی
مجھ کو محسوس کرو
اپنی خواہش کے جزیروں میں
نہ محبوس کرو
صرف محسوس کرو!
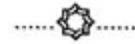
دل میں گئے دنوں کی دُکھن کچھ نہ کچھ تو ہے
لمبے سفر کے بعد تھکن کچھ نہ کچھ تو ہے

کس کو ہے شوق، یونہی اُڑے مثلِ خاکِ شہر
دل میں کوئی طلب ہے، لگن کچھ نہ کچھ تو ہے

مجھ سے خزاں کو ضِد ہے تو بے وجہ تو نہیں
میری محبتوں کا چمن کچھ نہ کچھ تو ہے

رُوحیں ملیں، دماغ ملیں، دل ملیں، ضرور
سارے معاملے میں بدن کچھ نہ کچھ تو ہے

ساؔجد ہے میرے فن سے جسے اِس قدر لگاؤ
اس کی نظر میں خالقِ فن کچھ نہ کچھ تو ہے
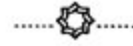
موسم نے سدا وقفِ زیاں کیوں مجھے رکھا
بردوشِ ہوا، برگِ خزاں کیوں مجھے رکھا

دریا تھا تو پھر کیوں نہ مری پیاس بجھائی
صحرا کی طرح تشنہ دَہاں کیوں مجھے رکھا

مطلوب نہ تھی میری گواہی تجھے ہرگز
پھر شاملِ ہر فردِ بیاں کیوں مجھے رکھا

دُنیا کو دیئے کیوں مری کرنوں کے حوالے
بے انت اندھیروں میں نہاں کیوں مجھے رکھا

ساجدؔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ مسیحا
خود ہنستا رہا گریہ کناں کیوں مجھے رکھا
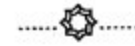
نہ گنواؤ اپنا سکون تم مری چاہ میں
میں غبار ہوں تو بکھیر دو مجھے راہ میں

اُسی ایک شامِ خزاں کا حزن و ملال ہے
کوئی اور عکس نہیں ہے میری نگاہ میں

تجھے کھو کے تیری اَنا کا میں نے بھرم رکھا
کئی کلفتیں، کئی مشکلیں تھیں نباہ میں

ترے آنسوؤں نے بدل دیئے مرے راستے
کئی لوگ تھے مری راہ میں مری چاہ میں

بڑی بدمزہ سی گذر رہی ہے یہ زندگی
نہ ثواب میں وہ مزہ رہا نہ گناہ میں
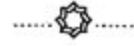
باتوں باتوں میں بچھڑنے کا اشارہ کر کے
خود بھی رویا وہ بہت، ہم سے کنارا کر کے

سوچتا رہتا ہوں تنہائی میں انجامِ خلوص
پھر اسی جرمِ محبت کو دوبارا کر کے

جگمگا دی ہیں ترے شہر کی گلیاں میں نے
اپنے ہر اشک کو پلکوں پہ ستارا کر کے

دیکھ لیتے ہیں چلو حوصلہ اپنے دل کا
اور کچھ روز ترے ساتھ گزارا کر کے

ایک ہی شہر میں رہنا ہے مگر ملنا نہیں
دیکھتے ہیں، یہ اذیت بھی گوارا کر کے

زمین دل میں تازہ فاصلے بو جائے گا کوئی
قریب آیا تو ہم سے دُور بھی ہو جائے گا کوئی

اگر ٹانکا نہ جائے گا تمہاری اوڑھنی میں وہ
ستارے کی طرح آفاق میں کھو جائے گا کوئی

مرا دل کہہ رہا ہے، واپسی کا فیصلہ کر کے
تلافی کے لیے سارے گلے دھو جائے گا کوئی

اُسے پھولوں بھرے بستر کی ایسی کیا ضرورت ہے
شکستہ خواب کے کھنڈرات میں سو جائے گا کوئی

زمانے سے چھپائے گا وہ اپنے زخمِ حسرت کو
ہمارے سامنے دکھڑے مگر رُو جائے گا کوئی

اُسے کھونے کا حق تو عمر بھر ہم نے نہیں بخشا
تو کس بنیاد پر ہم سے کبھی کھو جائے گا کوئی

یہ سوچا تھا، تری قربت مرے غم دُور کر دے گی
خبر کیا تھی کہ تیری ذات میں محصور کر دے گی

بہت چپ رہ لیے ہیں ہم، مگر اب ایسا لگتا ہے
ہمیں کچھ بولنے پر یہ فضا مجبور کر دے گی

سہاروں کی تمنا اس لیے رکھتے نہیں ہیں ہم
کہ اِن بیساکھیوں کی دوستی معذور کر دے گی

کہا تو تھا کبھی اُس نے مرے شانے پہ سر رکھ کر
محبت وہ دوا ہے جو ہر اِک غم دور کر دے گی

کبھی مل کر تو دیکھو کس قدر جاں سوختہ ہیں ہم
ہمیں اِک لمس، اِک پل کی عطا مسرور کر دے گی

تیرا کیا حال ہے اب، گردشِ حالات کے بعد
آج دیکھا ہے تجھے، پچھلی ملاقات کے بعد

کتنی رونق تھی ابھی چند ہی لمحے پہلے
کتنی سنسان گلی ہے تری بارات کے بعد

تو گیا اور مری نیندیں بھی ترے ساتھ گئیں
رَت جگے میرے ہی مہمان ہیں اس رات کے بعد

میرے اشکوں میں مرا سارا جہاں ڈوب گیا
حال ایسا ہوا، طغیانئ جذبات کے بعد

تو بھی رو لے کہ ہے بنجر ترے دل کا آنگن
سبزہ اگ آئے گا اس گھر میں بھی برسات کے بعد

ورنہ یہ پیڑ تو مرجھا ہی گیا تھا ساجدؔ
شعر میں جان پڑی، بارشِ صدمات کے بعد
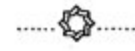
یہ اور بات کہ حالات مہربان نہ تھے
بچھڑنے والے مگر مجھ سے بدگمان نہ تھے

یہ اب جو آگ لگائی ہے مہربانوں نے
تو یاد کیا انہیں خود اپنے بھی مکان نہ تھے

یہ لڑکیاں تھیں مزاجِ ہوا سے ناواقف
یہ کشتیاں تھیں مگر ان میں بادبان نہ تھے

کبھی گمان گزرتا کہ ہم زمیں پہ نہیں
کبھی یہ لگتا کہ ہم زیرِ آسماں بھی نہ تھے

تمام کاغذی رشتے تھے، بعد میں یہ کُھلا
کسی کی رُوح نہ تھے ہم کسی کی جان نہ تھے

اِک آزمائشِ دل سے گزر کے شاد تھے ہم
سمجھ رہے تھے کہ اب اور امتحان نہ تھے

ملنا جلنا رہتا ہے شہر کے مکینوں سے
پھر بھی خوف آتا ہے بعض آستینوں سے

اُن کو کیسے سمجھائیں جن کے دل ہی بنجر ہیں
شعر ڈھل نہیں سکتے آہنی مشینوں سے

شاعری کی صورت میں اک سفر مسلسل ہے
آشنائی رہتی ہے مختلف زمینوں سے

شمعیں جلتی رہتی ہیں آرزو کے طاقوں پر
کچھ شعاعیں اٹھتی ہیں درد کے دفینوں سے

یہ نہیں کہ صوفی ہوں یا بزرگ ہوں لیکن
ایک حد پہ رکھتا ہوں دوستی حسینوں سے

ایسا نہیں کہ شہر کو ویران چھوڑ آئے
آئندہ ربط و ضبط کے امکان چھوڑ آئے

کچھ لوگ کہہ رہے تھے ہمیشہ کا ساتھ ہے
رستہ بدل کے ہم انہیں حیران چھوڑ آئے

خواہش کوئی رکھی نہیں اس دل کی جیب میں
پونجی تمام، اپنے سب ارمان چھوڑ آئے

کتنی چہک مہک تھی ابھی تھوڑی دیر قبل
ہم آ گئے تو راہ کو سنسان چھوڑ آئے

افسوس یہ رہا کہ مداوا نہیں ہوا
دکھ یہ ہوا کسی کو پشیمان چھوڑ آئے

آئیں گے اب پلٹ کے نہیں جانے والے لوگ
لوگوں کے درمیان یہ اعلان چھوڑ آئے

ں ایک حرف کا رشتہ ہے میرا سرمایہ
ی حوالے سے کچھ لوگ مجھ کو جانتے ہیں

رکھتے ہیں زمانے کی خبر کچھ نہیں کہتے
اب اہل خبر، اہلِ نظر کچھ نہیں کہتے

تاریک ہیں کیوں طاقچے آنکھوں کے سرِ شام
چھوڑ آئے کہاں شمعِ نظر کچھ نہیں کہتے

چُھو کر کسی شعلے کو تپش تک نہیں آتی
جب آگ ہو اندر تو شرر کچھ نہیں کہتے

سہتے ہیں جہاں بھر کے مظالم دل و جاں پر
دل سوختہ یہ اہل ہنر کچھ نہیں کہتے

ہر طرزِ عمل تیرا نظر میں ہے جہاں کی
گونگا نہ سمجھ، لوگ اگر کچھ نہیں کہتے

✿

تری طرح کوئی بھی غمگسار ہو نہیں سکا
بچھڑ کے تجھ سے پھر کسی سے پیار ہو نہیں سکا

خدا کا شکر، بے شمار چاہتیں ملیں مجھے
میں بے دیار ہو کے بے وقار ہو نہیں سکا

جو خون دل کے رنگ میں ٹپک پڑے تھے آنکھ سے
ان آنسوؤں کا مجھ سے کاروبار ہو نہیں سکا

میں جلتے جلتے بجھ گیا کسی کے طاقِ زیست پر
بس اتنی بات، مجھ سے انتظار ہو نہیں سکا

بھلے دنوں کا ساتھ تھا، میں کیسے اس کو بھولتا
سو، اس کہانی کا بھی اختصار ہو نہیں سکا

ترے سوا بھی چارہ گر میں اور کوئی ڈھونڈتا؟
یہ کام مجھ سے جانِ اعتبار ہو نہیں سکا

✿

وہ جو طاقچہ سرہانے، ہے کسی عزیزِ جاں کے
ہمیں بس یہیں جلانا کہ چراغ ہیں یہاں کے

یہ جو تیرے میرے غم ہیں، یہ تو غم نہیں جہاں کے
مرے دل کو ڈس رہے ہیں کئی اور دکھ یہاں کے

کسی کیکٹس کا گملا اسے تحفتہً ملا ہے
وہ جو پھول دیکھتا تھا مرے ساتھ گلستاں کے

جو گزر رہی ہے دل پر وہ خدا ہی جانتا ہے
نہ زمیں کے اہلِ دانش نہ فرشتے آسماں کے

کبھی ذہن و دل تھے روشن، یوں کھنڈر نہیں ہوئے تھے
کئی خواب بستیاں تھیں، کئی شہر تھے گماں کے

کچھ عجیب ہمسفر تھے جو رفیق بنتے رہتے
کبھی اِس کے کارواں کے، کبھی اُس کے کارواں کے

آج دیکھ لیتے ہیں، وسعتیں کہاں تک ہیں
دشت اور اِس دل کی، وحشتیں کہاں تک ہیں

اِک سوال کرتے ہیں ہر قدم پہ رک رک کر
دِل! ترے ارادوں کی، ہمتیں کہاں تک ہیں

آؤ جانچ لیتے ہیں، درد کے ترازو پر
کس کا غم کہاں تک ہے، شدتیں کہاں تک ہیں

ایک پھول کھڑکی سے، اُڑ کے میز تک آیا
اب یہ شہر سے پوچھو، نکہتیں کہاں تک ہیں

کچھ عزیز لوگوں سے، پوچھنا تو پڑتا ہے
آج کل محبت کی، قیمتیں کہاں تک ہیں

ایک شام آجاؤ، کھل کے حالِ دل کہہ لیں
کون جانے سانسوں کی مہلتیں کہاں تک ہیں

✿

دھوپ کے دشت میں شیشے کی رِدائیں دی ہیں
زندگی! تونے ہمیں کیسی سزائیں دی ہیں

شعلوں جیسی ہی عطا کی ہیں سُلگتی بوندیں
آگ برساتی ہوئی ہم کو گھٹائیں دی ہیں

اِک دُعاگو نے رِفاقت کی تسلی دے کر
عمر بھر ہجر میں جلنے کی سزائیں دی ہیں

دل کو بجھنے کا بہانہ کوئی درکار تو تھا
دُکھ تو یہ ہے ترے دامن نے ہوائیں دی ہیں

مڑ کے دیکھا تو بدستور تھے خاموش وہ لب
یوں لگا تھا کہ اُن آنکھوں نے صدائیں دی ہیں

کیسا ماحول ملا ہے ہمیں جینے کے لیے
دینے والے نے ہمیں کیسی فضائیں دی ہیں

یہ کب کہتا ہوں تم میرے گلے کا ہار ہو جاؤ
وہیں سے لوٹ جانا، تم جہاں بیزار ہو جاؤ

ملاقاتوں میں وقفہ اس لیے ہونا ضروری ہے
کہ تم اِک دن جدائی کے لیے تیار ہو جاؤ

بہت جلدی سمجھ میں آنے لگتے ہو زمانے کی
بہت آسان ہو، تھوڑے بہت دشوار ہو جاؤ

بلا کی دھوپ سے آیا ہوں، میرا حال تو دیکھو
بس اب ایسا کرو تم سایۂ دیوار ہو جاؤ

ابھی پڑھنے کے دن ہیں، لکھ بھی لینا حالِ دل اپنا
مگر لکھنا تبھی، جب لائقِ اظہار ہو جاؤ

حسیں پھولو، چمکتے جگنوؤ، تارو، مرے لفظو!
کہیں سے اُڑ کے آؤ، زینتِ اشعار ہو جاؤ

ملو لوگوں سے، لیکن اِس طرح ملنا نہیں اچھا
مسافر بس میں جیسے صبح کا اخبار ہو جاؤ

کبھی دامن، کبھی پلکیں بھگونا کس کو کہتے ہیں
کسی مظلوم سے پوچھو کہ رونا کس کو کہتے ہیں

رفو کرنا جسے آتا ہو اپنے دل کے زخموں کو
تمہیں بتلائے گا سینا پرونا کس کو کہتے ہیں

کبھی میری جگہ خود کو رکھو، پھر جان جاؤ گے
کہ دنیا بھر کے دُکھ دل میں سمونا کس کو کہتے ہیں

نہ خواب آور دوائیں کھا کے بھی نیند آ سکے تم کو
سمجھ لو گے کہ کانٹوں کا بچھونا کس کو کہتے ہیں

مری آنکھوں مرے چہرے کو اِک دن غور سے دیکھو
مگر مت پوچھنا، ویران ہونا کس کو کہتے ہیں

تمہارا دل کبھی پگھلے اگر غم کی حرارت سے
تمہیں معلوم ہو جائے گا رونا کس کو کہتے ہیں

مول وہ لے تو سکتا تھا روشن الفاظ محبت کے
کاش اسے سمجھا سکتے ہم، چند اُصول تجارت کے

اس کو کیا معلوم کہ کیا ہے کربِ تمنا کا مفہوم
دل کو کہاں پہنچا دیتے ہیں لمحے درد کی شدت کے

اس نے بھی اپنی شمعوں کے ڈھونڈ لیے ہیں طاق کئی
ہم بھی نہیں ویسے دیوانے، اس کی شام رفاقت کے

سن لیتے ہیں، ہنس لیتے ہیں، بیٹھ کے وحشی لوگوں میں
جھوٹے سچے کچھ افسانے، اپنی، اس کی قربت کے

عشق کیا، اور عشق بھی ایسا جس کو سچا عشق کہیں
ورنہ اور بہت رستے تھے عزت کے اور شہرت کے

کام خوشامد دے سکتی ہے بیکاروں، ناداروں کو
کچھ انعام تو مل جاتے ہیں تیری میری خدمت کے

پھول تھے، رنگ تھے، لمحوں کی صباحت ہم تھے
ایسے زندہ تھے کہ جینے کی علامت ہم تھے

سب خرد مند بنے پھرتے تھے ہر محفل میں
اس ترے شہر میں اک صاحبِ وحشت ہم تھے

اب کسی اور کے ہاتھوں میں ترا ہاتھ سہی
یہ الگ بات کبھی اہلِ رفاقت ہم تھے

نام بخشا ہے تجھے کس کے وفورِ غم نے
گر کوئی تھا تو فقط باعثِ شہرت ہم تھے

رُت جگوں میں تری یاد آئی تو احساس ہوا
تیری راتوں کا سکوں، نیند کی راحت ہم تھے

اب تو خود اپنی ضرورت بھی نہیں ہے ہم کو
وہ بھی دن تھے کہ کبھی تیری ضرورت ہم تھے

کسی صورت سے تعلق کا صلہ مانگتا ہے
اس لیے وہ مرے جینے کی دُعا مانگتا ہے

میرے اشکوں کی اسے جب بھی ضرورت پڑ جائے
خشک موسم میں وہ پانی کا دیا مانگتا ہے

یہ گھٹن ابرِ بہاراں کی طلبگار نہیں
ایسا موسم ترے آنچل کی ہوا مانگتا ہے

اِک طرف تیرے مراسم بھی ہیں سلطانوں سے
اور تو ہے کہ فقیروں سے رِدا مانگتا ہے

یہ اُداسی تو ہمیں گھر میں بھی مل سکتی تھی
گھر کو لوٹ آئے کہ بازار سے کیا لینا ہے

جب مکینوں سے تعلق ہے نہ رشتہ کوئی
خالی خولی در و دیوار سے کیا لینا ہے

کوئی شجرے سے ملانا تو نہیں ہے شجرہ
عشق کو سیرت و کردار سے کیا لینا ہے

چھوڑ آئے ہیں ترا شہر تو کیا پچھتائیں
انتقام اپنے دلِ زار سے کیا لینا ہے

جب تعلق ہی نہیں ہے کوئی تجھ سے اپنا
تیرے اقرار سے، انکار سے کیا لینا ہے

تاج اور تخت کے مالک ہی نہیں ہیں جب ہم
میوزیم میں سجی تلوار سے کیا لینا ہے

❁

اچانک اُس کی ایسی بدگمانی پر تعجب ہے
مُجھے تو اِس بلائے ناگہانی پر تعجب ہے

محبت تم نہیں کرتے، کتابیں تم نہیں پڑھتے
تو کیسے نوجواں ہو؟ اس جوانی پر تعجب ہے

سمندر جس نے دیکھا ہے، ہمارا دل نہیں دیکھا
اُسے آبِ رواں کی بیکرانی پر تعجب ہے

مری رُوداد سن کر اُن کی آنکھیں پھیلی جاتی ہیں
اُنہیں حیرت ہے مجھ پر، اِس کہانی پر تعجب ہے

مُجھے جادُو نہیں آتا نہ اس کو مانتا ہوں میں
مگر ان کو مری جادو بیانی پر تعجب ہے

میں اتنی بھیڑ میں کیسے قد و قامت نکال آیا
بہت لوگوں کو میری کامرانی پر تعجب ہے

✿

یہ تخلیقی عمل ہے، اس میں بینائی بھی جاتی ہے
فقط دل ہی نہیں، چہرے کی رعنائی بھی جاتی ہے

فقط اک اعتبارِ وعدۂ فردا نہیں جاتا
یہاں پل بھر میں برسوں کی شناسائی بھی جاتی ہے

یہ آتش گیر جملے آگ بھڑکائیں گے جانِ من
کبھی یخ بستہ ہو کر بات سمجھائی بھی جاتی ہے

جو رہتی ہے ہمارے ساتھ اس کمرے میں روز و شب
تمہاری پیشوائی کو وہ تنہائی بھی جاتی ہے

قدم رکھنے سے پہلے سوچ لو، یہ دشتِ حیرت ہے
یہاں قلب و نظر کے ساتھ دانائی بھی جاتی ہے

جسے ملتے ہیں وہ پہچانتا ہے ہم کو پہلے سے
جہاں جاتے ہیں، سایہ بن کے رسوائی بھی جاتی ہے

✿

گھر ہے نہ دَر تو کیا کریں؟ عمر گزارنی تو ہے
گٹھڑی غمِ حیات کی سر سے اُتارنی تو ہے

ضبط سے کام لے کے ہم کاٹ ہی لیں گے یہ گھڑی
عین مقامِ دل پہ ہے، چوٹ سہارنی تو ہے

ہم نے تو ابتداء ہی میں تم سے یہ کہہ دیا تھا، جان!
کھیلیں گے پھر بھی شوق سے، بازی یہ ہارنی تو ہے

ابرِ رواں کی چار بوند چہرے پہ مل کے دیکھ لیں
آنا ہے آج اسے اِدھر، شکل سنوارنی تو ہے

دل کو ہتھیلی پر رکھیں، سر سے تمہارے وار دیں
اتنے حسین شخص کی، نذر اُتارنی تو ہے

دامنِ ضبط چھوڑ دیں یعنی کہ سر کو پھوڑ دیں
ایسا نہیں ہے جانِ من! عمر گزارنی تو ہے

شہر میں جی نہیں لگا، دشت میں جا کے دیکھ لیں
صحرا نورد بھی بنیں، خاک اُڑا کے دیکھ لیں

ممکن ہے کوئی ماہ رُو، ناقہ سوار آ ملے
مجنوں نہیں تو کیا ہوا، حلیہ بنا کے دیکھ لیں

آپ کی چشمِ جاہ میں قیمت آدمی ہے کم
جائیں، کسی ستون سے دل کو لگا کے دیکھ لیں

ممکن ہے یاد آ ہی جائیں، ہم بھی اُسے کسی گھڑی
اور بھی چند روز ہم، اس کو بھلا کے دیکھ لیں

ممکن ہے خال و خد کوئی، اُبھرے، دکھائی دے سکے
مصرعے جو ناتمام ہیں ان کو سجا کے دیکھ لیں

آنا تو خیر کس کو ہے پھر بھی برائے نامِ شوق
خلوتِ کنجِ باغ میں اس کو بلا کے دیکھ لیں

ان کی تو زندگی فقط، وسعتِ مال و زر میں ہے
آپ بھی چند روز انہیں پاس بٹھا کے دیکھ لیں

جیسے ازل کی دوستی، جیسے جنم جنم کا ساتھ
طاق میں یوں ملے مجھے ایک چراغ، ایک پھول

دونوں کے درمیان ہے جاری کوئی مکالمہ
چپ تو پڑے نہیں ہوئے ایک چراغ، ایک پھول

ایک ہے آتشیں وجود، ایک سراپا موجِ گل
کیسے یہ دونوں مل گئے ایک چراغ، ایک پھول

کیسا یہ اتفاق ہے طاقِ حیات سج گیا
لوگ یہ سوچتے رہے ایک چراغ، ایک پھول

رات تو خیر کاٹ دی عشق کے احترام میں
صبح کو سوختہ ملے ایک چراغ، ایک پھول

جو ہیں بہت عزیز جاں، خاص نہیں، وہ عام ہیں
پھر بھی ہمارے واسطے، قابلِ احترام ہیں

پُرسشِ حال کے لیے دل کی تہوں سے شکریہ!
ہم ہیں دُکھی تو کیا ہوا؟ آپ تو شادکام ہیں

ہم نے ہی کوہ و دشت کی، راہ چُنی ہے شوق سے
ورنہ تو اور مشغلے شہر میں گام گام ہیں

عشق بھی ایک کام ہے، ڈھنگ سے کرسکو تو ٹھیک
ورنہ بغیر عشق بھی، سینکڑوں کام وام ہیں

لوگوں کا جی نہیں بھرا شہرتِ بے پناہ سے
رُسوا گلی گلی ہوئے، کون سے نیک نام ہیں

میں تو نہیں ہوں منتظر، ایک اکیلا باغ میں
درد رفیقِ کنج ہیں، رنج، شریکِ شام ہیں

کشتی کوئی تھی رقص میں، کوئی بھنور تھا رقص میں
ناچ رہے تھے بحر و بر، رخت سفر تھا رقص میں

ایک بگولہ دشت میں دیکھ کے مجھ کو، ہنس پڑا
حالانکہ میں بھی خستہ جاں محوِ سفر تھا رقص میں

پنجرے کی جالیوں سے کل، اُڑ گیا طائر حزیں
شام ادھر تھی سوگ میں، پیڑ ادھر تھا رقص میں

گنگ تھے سارے بام و در، جلوۂ یار دیکھ کر
لوگ تو سجدہ ریز تھے، میرا ہی سر تھا رقص میں

عالمِ بے خودی میں سب، رقص میں تھے گذشتہ شب
ہوش کہاں کہ دیکھتا، کون کدھر تھا رقص میں

میری بساطِ شاعری، رقص گہِ خیال تھی
میرا قلم تھا رقص میں، میرا ہنر تھا رقص میں

بستی میں چلتے پھرتے کھنڈر یاد آ گیا
وہ ہنستے بستے لوگ، وہ گھر یاد آ گیا

یاد آ گیا وہ صحن وہ دالان اور وہ چاند
تو یاد آ گیا، ترا دَر یاد آ گیا

کل آئینے کے سامنے آنکھیں تھیں اور میں
بے ساختہ وہ دیدۂ تر یاد آ گیا

وہ بھی کبھی ہمارے رفیقوں میں تھا رفیق
دیکھا جو اس نے ایک نظر یاد آ گیا

ایسی ہی وحشتیں تھیں بیابانیوں کے ساتھ
صحرا کو دیکھ کر مجھے گھر یاد آ گیا

کل بیج کس درخت کے بوئے تھے اعتبار
پایا ہے آج کس کا ثمر یاد آ گیا

یہ واقعہ بھی عجب میری زندگی کا تھا
میں چاہتا تھا اُسے اور وہ کسی کا تھا

کسی نے توڑ دیا میرا آشیانۂ خواب
مجھے بھی زعم بہت اپنی عاشقی کا تھا

تب اپنی وحشتِ جاں پر ہوا بہت افسوس
جو یہ سنا کہ اسے شوق دل لگی کا تھا

وہ آبدیدہ ہوا دیکھ کر مجھے سرِ بزم
کہ اس کے سینے میں بھی دل تو آدمی کا تھا

بچھڑ کے مجھ سے وہ خوش ہے یہ سن کے دکھ تو ہوا
مگر یہ رنج بھی باعث مری خوشی کا تھا

نہ میری ذات سے مطلب نہ میرے درد سے کام
وہ معترف تو فقط میری شاعری کا تھا

ایسا ہے حال اِن دنوں، فرصتِ حال ہی نہیں
فکرِ سخن تو اِک طرف، وقت خیال ہی نہیں

اُس نے کہا کہ مانگ لے، جو بھی ہے تجھ کو مانگنا
اور اِدھر یہ حال ہے، لب پہ سوال ہی نہیں

رشتۂ جاں کو توڑ کے، شاخِ شجر کو چھوڑ کے
کیسے ہیں پھول بے زباں، ان کو ملال ہی نہیں

شکلیں بدل چکی ہیں سب، ختم ہے داستانِ شب
شیشۂ دل میں اب کوئی عکس جمال ہی نہیں

جانِ عزیز کون ہے، جس کو سنیں تو جی اُٹھیں
اور کوئی تری طرح شیریں مقال ہی نہیں

دُور سے آ رہے ہیں لوگ، پُرسشِ حال کے لیے
تم ہو کہ اعتبار کا، تم کو خیال ہی نہیں

زمیں پہ بوجھ مرا جسمِ ناتواں نہ رہے
بس اتنی عمر ملے جو وبالِ جاں نہ رہے

میں دوستوں کی شکایت کروں تو کس سے کروں
کہ بام و در بھی مرے گھر کے راز داں نہ رہے

دُکھوں میں ساتھ مرا چھوڑتے گئے مرے لوگ
خزاں میں پیڑ، مسافر پہ مہرباں نہ رہے

میں دوسروں کی خوشی کے لیے عذاب سہوں
خدا کرے کہ کوئی مجھ سے بدگماں نہ رہے

بس اتنی شرطِ ملاقات رکھ رہا ہوں میں
کوئی، خدا کے سوا، اپنے درمیاں نہ رہے

ملیں تو ایسے ملیں ہم کہ جیسے جسم سے رُوح
جدا ہوں ایسے کہ دنیا کو داستاں نہ ملے

ہجر کی رات میں اُمید کا تارا بھی ہے تو
صرف پیارا ہی نہیں جان سے پیارا بھی ہے تو

ہم کیا کریں؟

ایک دُکھ ہو تو اس کا مداوا کریں
دامن دل میں اتنے ہیں غم، کیا کریں

ہم کو جن سے اُمیدِ کرم ہے بہت
وہ بچارے بھی کہتے ہیں: ہم کیا کریں؟

یہ بادل تتلیاں برسا رہے ہیں
غزل کہنے کے موسم آ رہے ہیں

ہمیں پگھلا رہی ہے شامِ باراں
ہم اپنے آپ کو سلگا رہے ہیں

دیئے گل ہو رہے ہیں دھیرے دھیرے
سرائے سے مسافر جا رہے ہیں

جو دُکھ پہلی جدائی میں سہے تھے
انہی کو آج تک دہرا رہے ہیں

وہی انبوہِ شہرِ رفتگاں ہے
وہی احباب ملنے آ رہے ہیں

ہجومِ کارواں اب تک وہی ہے
فقط چہرے بدلتے جا رہے ہیں

سگانِ شہرِ فن سے واسطہ ہے
سو، ہم بچتے بچاتے جا رہے ہیں

ادا کر دیں گے قرض دشمناں بھی
ابھی احباب کو بھگتا رہے ہیں

ہمارے حق میں اچھے ہیں یہ بونے
ہمارا قد بڑھاتے جا رہے ہیں

برزخ

تم نے اِک بار کہا تھا مجھ سے:
جذبے سچے ہوں تو کہسار کی تسخیر نہیں ناممکن
میں نے تم سے یہ گزارش بصد آداب فقط یہ کی تھی
سچے جذبوں کی مدارات کا موسم ہی نہیں
اب تو سچائی کے اظہار کا عالم ہی نہیں
جس قدر جھوٹ ہم الفاظ میں لکھ سکتے ہیں
وہی تاریخ ادب میں بھی نکھر آتے ہیں

ملک کے سینکڑوں اخبار و جرائد میں ابھر آتے ہیں
ایسا سچ بول کے دیکھا تو کئی اہلِ دل

مجھ سے کترا کے، نگاہوں کو چرا کر گزرے
اپنے جذباتِ حقیقی کو چھپا کر گزرے
تب یہ سوچا کہ منافق ہے اگر شہرِ ادب
میں ہی کیوں ثانیِ سقراط بنوں؟
زہر پیوں؟
جس طرح کہتے ہیں شاعر غم و آلامِ حیات
اور آرام سے دن اپنے بسر کرتے ہیں
کیوں نہ میں ان کی رہِ عمر کی تقلید کروں
کیوں میں تنقید کروں؟
کس لیے میں کسی بے رحم کی تردید کروں
ہاں مگر ایسا بھی ممکن نہیں میرے دل سے
اس لیے قیدیٔ برزخ ہوں، یہی سوچتا ہوں
میرا انصاف کسی روز تو آخر ہوگا
روزِ محشر سے بہت قبل
اسی دنیا میں!

الوداع کہتی ہوئی رُت میں اکیلے رہ گئے
ٹہنیوں پر چند سوکھے پات ہلتے رہ گئے

گھل گئی تیری جدائی کے دکھی موسم کی برف
راستوں پر یاد کے ذرّے چمکتے رہ گئے

تعاقب

ہم اِک دوسرے کے تعاقب میں ہیں
کبھی یاد کا کوئی مدھم سا سایہ
کبھی ایک میٹھی سی خوشبو کا جھونکا
کبھی اِک حوالہ
تعاقب،
مسلسل تعاقب کا اِک سلسلہ ہے
کبھی فکرِ ترکِ مراسم میں غلطاں
کبھی پھر تعلق کی تجدید کے عہد و پیماں

کبھی ہم حصارِ تعلق سے باہر نکلتے نہیں ہیں
جواز اور منطق کی اُونچی فصیلیں
فصیلوں کے آخر میں
پھر ملنے جلنے، تعلق بڑھانے کی خواہش
مسلسل تعاقب کا اِک سلسلہ ہے
ہم اِک دوسرے کے تعاقب میں ہیں
جانے کب سے
کہاں تک؟

نہ ہو جس میں سوز دل کا، وہ کلام کیا کرے گا
کوئی خالی خولی شہرت، کوئی نام کیا کرے گا

یہ جو شہرت ملی ہے، اس سے گوشہ گیر بہتر تھے
ترے گمنام آشفتہ سرا، دل گیر بہتر تھے

کم از کم رات دن اچھے تو تھے، شامیں تو عمدہ تھیں
گھٹن کے ان دنوں میں ہم مثالِ میرؔ بہتر تھے

انہیں مل کر سوائے رنج کے کچھ بھی نہیں پایا
یہ تصویروں میں رہتے، صاحب تصویر بہتر تھے

کرامت کیا دکھاتے ہیں یہ تعویذوں کو لکھ لکھ کر
یہ ناخواندہ بچارے لوگ تو بے پیر بہتر تھے

ان اعزازات دنیا نے تو شرمندہ کیا ہم کو
ہم اس توقیر بے وقعت سے بے توقیر بہتر تھے

میں کیا اُمید رکھوں عمر سے وفاؤں کی
کہ ریگِ جسم ہے اور یُورشیں ہواؤں کی

سفر بخیر، جدائی میں خوش رہا کرنا
نیا ہے شہر، زمیں ہے نئی فضاؤں کی

خیال رکھنا، ہم آپس میں جس قدر ہوں خفا
خدا کرے کہ نہ ہو کشمکش اناؤں کی

بزرگ، پیڑ ہیں اس تیز دھوپ میں، سو، یہ جان
ابھی بہت ہے ضرورت ہمیں دعاؤں کی

ہم ایسے لوگ ہیں طفلانِ بیقرار، جنہیں
قدم قدم پہ ضرورت ہے مامتاؤں کی

یہاں تو باپ کے رشتے سے لوگ جانتے ہیں
وہاں ہے طفل کی پہچان، ذات ماؤں کی
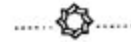
میرا بچپن مجھے آواز اگر دیتا ہے
کسی بچے کی شباہت میں بدل جاتا ہوں

تتلیاں اُڑ کے کسی کنج میں چھپ جاتی ہیں
میں تعاقب میں بہت دُور نکل جاتا ہوں

کوئی آواز اگر پیار سے دیتا ہے مجھے
جانے کیوں موم کے مانند پگھل جاتا ہوں

طے تو کرنا ہے کسی طور مجھے رات کا دشت
ایک جگنو کی طرح بجھتا ہوں، جل جاتا ہوں

دستِ شفقت نہ رہا جب سے کوئی سر پہ مرے
خود بخود گرتا ہوں اور خود ہی سنبھل جاتا ہوں

بے خال و خد

تو جو دُنیا میں آیا نہیں!
طفلِ بے نقش و نام و نشاں!
تو ابھی ایک دھندے تخیل کی کچی سی تختی پہ لکھے ہوئے
حرفِ بے مدعا کی طرح
اِک اُدھورے خد و خال کا خواب ہے
رحمِ مادر میں اُبھریں نہیں
تیرے ہاتھوں کی پیروں کی معصوم سی کونپلیں
طفلِ بے نقش و نام و نشاں!
رحمِ مادر سے آغوشِ مادر میں
آ کر جو دیکھے گا تو
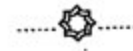
ریپ ہوتی ہوئی بے کس و بے خطا مائیں
جن کا گنہ صرف اتنا رہا
اپنے آقاؤں کو خوش نہیں رکھ سکیں
اُن کے آقا جو ان کے مجازی خدا بھی نہ تھے
منطقوں، منصبوں اور زمینوں کے مختار تھے
چوبداران و وابستگانِ در و بامِ دربار تھے
جو غلامانِ سرکار تھے
پھر بھی مختار تھے
طفلِ بے نقش و نام ونشاں!
ان کی دنیا میں آ کر یہ دیکھے گا تو
پرس چھن جاتے ہیں
لوٹ لی جاتی ہیں راہ چلتی ہوئی عورتیں
گھر اجڑ جاتے ہیں
پیڑ آنگن کے جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں
قتل ہو جاتی ہیں مفلسی، بھوک، غربت کی قربان گاہوں پہ
مائیں

کہ جن کا فقط جرم اِک خوابِ ہستی کی تکمیل ہے
طفلِ بے نقش و نام ونشاں!
تو کہ دُنیا کی جنگوں سے واقف نہیں
دل کی کچی سی تختی پہ ابھرے ہوئے
ناتمامی کے عالم میں بکھرے ہوئے
طفلِ بے نقش و نام ونشاں!
تجھ کو ڈیزی کٹر کی تباہی کا کیا علم ہے؟
تو نے مائینز، ایٹم بموں کے نئے تجربوں کی قیامت نہ دیکھی
تری خوش نصیبی ہے
تو نے ابھی تک کوئی بھی اذیت نہ دیکھی
تری خوش نصیبی رہے نامکمل تصور کی تختی پہ
اِک بے بنائے ہوئے خال و خد کی طرح
تو نہ اخبار پڑھ کر سکتا پھرے اپنے جد کی طرح
طفلِ بے نقش و نام ونشاں!
کیا کرے گا تو آ کر یہاں؟
رحمِ مادر سے آغوشِ مادر میں آ کر

یہ دیکھے گا تو

کرۂ ارض رہنے کے قابل نہیں

یہ مصائب کا ایسا سمندر ہے جس میں کہیں

کوئی لنگر نہیں، کوئی ساحل نہیں

ان زمینوں کی تاریخیں، جغرافیوں کے مماثل نہیں

اس لیے

اب فرشتے بھی اس سمت آنے پہ مائل نہیں!

کیا کرے گا تو آ کر یہاں؟

وہ ایک شخص

(افتخار عارف کے لیے)

حصارِ بدن میں مقید

کئی پاک رُوحیں

رُخِ آب و گل دیکھنا چاہتی تھیں

مگر عافیت تھی اسی میں

کہ کچھ دیر سے۔ اور تاخیر سے

کوچ کا حکم ہو

ان بہت پاک رُوحوں میں

اِک روحِ تابندہ تر، تم بھی تھے

پھر تمھیں اِس زمیں پر

کہیں کربلا میں اتار گیا
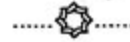
اسی امتحاں گاہِ شام و سحر میں

تمہارے دماغ اور سینے کے اندر

دھڑکتے ہوئے دل کی سب دھڑکنوں کو

سنوارا گیا

تمہیں اسمہائے وفا سے پکارا گیا

پھر تمہیں جا بجا سولیاں دے کے

اِس قوت و چہرۂ صبر کو

اور بھی کچھ نکھارا گیا

پھر تمہیں چاند کہہ کے پکارا گیا

ایک ذرّے سے مہتاب تک کا سفر

تم نے طے کر لیا

ایک مہتاب

جس نے فضائے فراتِ جہاں کو

منور کیا

جس نے مجھ جیسے لاکھوں دلوں کو

مسخر کیا

فخرِ دانش ہو تم

صرف اِک میں نہیں

سب نے باور کیا

سب نے باور کیا اور مانگی دُعا

یونہی تابندہ تم تا قیامت رہو

ماہتابِ شعورِ وفا، اے مرے آفتابِ غرورِ انا!

تم سلامت رہو!

مجھ سے سقراطؔ اور افلاطونؔ کی باتیں نہ کر
وقت کم ہے، شام کو رنگِ چمن کی بات کر

یہ گھڑی رُوحانیت پر بات کرنے کی نہیں
رُوح اپنے پاس رکھ، مجھ سے بدن کی بات کر

دوست ہے تو دوست کی وابستگی کا رکھ خیال
دوسروں کو چھوڑ، اُس جانِ سخن کی بات کر

نہ تُم اس راہ پر چلنا!

اُسی رستے پہ مت چلنا
کہ جس پر آبلے پاؤں میں پڑ جائیں
جو کانٹے ہر طرف بکھرے ہیں
تلووں میں نہ چبھ جائیں
کئی ہیں اور بھی رستے
اگر تم چلنا چاہو گے
تو ان پر اعتمادِ آرزو کے ساتھ عرصے تک
مسلسل چل بھی سکتے ہو

دِیا بننے کی خواہش ہے
تو پھر طاقِ وفا میں جل بھی سکتے ہو
یہ لازم تو نہیں جس راستے سے منع کرتا ہوں
اُسی رستے پہ تم جاؤ
فریب رہگذر کھاؤ
نہ میرے دل کی خواہش ہے نہ میرے من کی خواہش ہے!
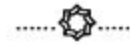
مفتوحہ

اس نے اِک بار کہا تھا مجھ سے:
تم یہ کہتے ہو
مجھے فتح کیا ہے تم نے
گر میں مفتوحہ علاقہ ہوں تمہارا
تو سنو
تم بھی مفتوحہ علاقہ ہو مرا
فاتح تم ہی نہیں
میں بھی ہوں
جب کبھی مجھ کو سمجھنے لگو
مفتوحہ علاقہ اپنا

یاد رکھنا

مرا مفتوحہ علاقہ ہو تم!

اُس کی اِس بات پہ

تب سے اب تک

اپنی تاریخ تو میں بھول چکا ہوں لیکن

اپنا جغرافیہ

اِک انچ / ملی میٹر تک

میں کسی اور کے قبضے میں نہیں دے سکتا!

اُس کی باتوں کو فراموش نہیں کر سکتا!!

پھر وہی لمبی دوپہریں ہیں، پھر وہیں وحشت طاری ہے

نیند سے پلکیں بوجھل ہیں، اشعار کی آمد جاری ہے

سناٹے کی چادر اوڑھے، گم سم سڑکیں، چپ چپ گلیاں

کیا موسم ہے، سوگ میں ڈوبی جیسے بستی ساری ہے

بے شک بعد میں طعنے سہنا، حلقۂ یاراں میں سچ کہنا

تیرا جرم محبت ہے، کیا تو اس سے انکاری ہے

اپنے حال میں گھومنے والو، سنگِ وفا کو چومنے والو
اتنا کہہ کر چھوڑ نہ دینا، پتھر ہے اور بھاری ہے

کل سقراط کو زہر پلانے والوں کا فرمان یہ تھا
عالم فاضل شخص ہے لیکن سوجھ بوجھ سے عاری ہے

دھڑکن سے دھڑکن ملتی ہے تب فن کی کونپل کھلتی ہے
دل کی بات سمجھتا ہے، جو میرے شعر کا قاری ہے
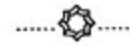
رنجش کوئی رکھتا ہے تو پھر بات بھی سن لے
وہ مجھ سے ذرا صورتِ حالات بھی سن لے

دھڑکن کی زباں سے میں بتاؤں گا کسی دن
کیا اس کے لیے ہیں مرے جذبات بھی سن لے

کس طرح سے رسوائی گوارا ہوئی ہم کو
جو دل نے سہے پیار کے صدمات بھی سن لے

اُڈ کے آئیں جو بادل تو دل یہ چاہتا ہے
کسی پھوار، کسی بوند پر غزل ہو جائے

مطالبہ ہے ترنم کا مجھ سے محفل میں
بھلے ہی اس کے سبب بے اثر غزل ہو جائے

مُیں ایک عمر سے گلیوں میں خاک اُڑاتا ہوں
مگر خدا نہ کرے در بدر غزل ہو جائے
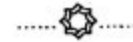
سب کچھ

سب کچھ اپنا سونپ دیا ہے
ہر اِک لمحہ سونپ دیا ہے
تم بے خال و خد کیسے ہو؟
اپنا چہرہ سونپ دیا ہے

Deal

یہ ڈیل محبت میں کیسی؟
یہ کیسی سودا بازی ہے
کب یہ دل اس پر راضی ہے
کیا چاہت میں یوں ہوتا ہے؟
تم خود سوچو، انصاف کرو
تم آخر یہ کس رنگ میں ہو
کس رنگ میں ہو کس ڈھنگ میں ہو

کیا پیسہ سب کچھ ہوتا ہے؟
کچھ رشتے دل کے ہوتے ہیں
ان رشتوں کی تکریم کرو
یہ سچائی تسلیم کرو
پھر جو چاہے ترمیم کرو

یوں تو وقت لگتا ہے بام و دَر بنانے میں
عمر بیت جاتی ہے، گھر کو گھر بنانے میں

راہ چلتے لوگوں سے دوستی نہیں اچھی
احتیاط لازم ہے، ہمسفر بنانے میں

صرف ترکِ الفت کا ایک زخم کافی ہے
عمر بھر کے قصے کو مختصر بنانے میں

پھر اُسی پرندے نے پر گرایا شانے پر
کیا مضائقہ اس کو، زیبِ سر بنانے میں

خونِ دل کو کاغذ میں جذب کرنا پڑتا ہے
اپنے چند لفظوں کو پُراثر بنانے میں

۞

حصارِ بام و در میں خوش نہیں ہے
کوئی بھی اپنے گھر میں خوش نہیں ہے

یہ دل عادی ہے کن تنہائیوں کا
کہ قربِ ہمسفر میں خوش نہیں ہے

جو تدبیریں بتاتا ہے خوشی کی
وہی میری نظر میں خوش نہیں ہے

عجب حالات ہیں اس گلستاں کے
پرندہ بھی شجر میں خوش نہیں ہے

۞

۞

یا تو محبتیں کرو، یا کرو عشقِ روزگار
ایک ہی راستہ کرو جانِ عزیز، اختیار

ذہن بھی فیضیاب ہو، کام بھی دستیاب ہو
رات کو شعر و شاعری، صبح کو صرف کاروبار

اپنے تو بس میں کچھ نہیں، سانس، نہ دھڑکنیں نہ دِل
ہاں، وہ نصیحتیں سُنے، دل پہ ہو جس کو اختیار

اپنی کیلنڈروں کے ساتھ برسوں سے دشمنی سی ہے
گھڑیاں بھی توڑ پھوڑ دیں، کتنا کریں گے انتظار

اتنی طویل گفتگو، پھر کسی اور دن پہ رکھ
مدِنظر رہے یہ شام، جانِ عزیز، اختصار

آج بدل گیا بیاں، کل ہی تو کہہ رہے تھے تم
آپ ہیں اعتبارِ من، آپ کا نام اعتبار